Quarterly Research Journal “Al-Qudwah”, Volume 02, Issue 04, Oct-Dec 2024

AL-QUDWAH

ISSN(P): 2959-2062 / ISSN(E): 2959-2054

https://al-qudwah.com

پر امن بقائے باہمی کے فروغ میں نبوی ﷺ حکمت عملی: ارتباطی مطالعہ

Increasing Mutual Harmony through Prophetic Wisdom: A Relational Study

ABSTRACT

This study explores the practical wisdom of the Prophet Muhammad (peace be upon him) in fostering mutual harmony. Through a relational lens, it examines his teachings and actions as a guide for contemporary social upbringing. By delving into the Prophet's exemplary conduct, this research aims to derive applicable principles for nurturing harmonious relationships in modern society. The Holy Prophet (peace be upon him) urged his followers to adopt a wise approach in all their dealings. This approach creates an environment where people of diverse communities can coexist harmoniously and foster stability and progress under the framework of varied religious and cultural practices. It is under the purview of this concept that citizens of different backgrounds accept their differences, appreciate their cultures and celebrate their festivals to lead the nation towards the common goal of integrity and prosperity. These principles guide Muslims to actively engage with others, seek commonalities, and address shared challenges. As Muslims embrace these values, they contribute to a harmonious environment where individuals from diverse backgrounds come together to experience inclusivity and togetherness. Islamic values promote cultural exchange as a means of enhancing mutual understanding, appreciation, and cooperation among diverse communities. These values inspire different groups to work together without knowing or paying any attention to the culture or beliefs of the other groups. People from different communities gather together in interfaith and intercultural projects, guided by Islamic values. They build connections to understand and work with each other better. Values like being kind, accepting others, and being fair, go beyond different cultures and religions. They show us a meaningful way to make a society that includes everyone.

Keywords: *Prophet Muhammad, social upbringing, practical wisdom, mutual harmony, relational study, exemplary conduct, contemporary society.*

Correspondence Author:

Dr. Saeed Ahmad SaeediAssociate Professor, Institute of Islamic Studies, The Punjab University, Lahore.*

AUTHORS

Dr. Saeed Ahmad Saeedi*

Associate Professor, Institute of Islamic Studies, The Punjab University, Lahore:

saeed.is@pu.edu.pk

Hafiz Ghulam Yasin**

Associate professor (Urdu) Govt College University, Lahore, Pakistan:

ghulamyasin4444@gmail.com

Date of Submission: 11-11-2024
Acceptance: 04-12-2024
Publishing: 12-12-2024

Web: https://al-qudwah.com/
OJS: https://al-qudwah.com/index.php/aqrj/user/register
e-mail: editor@al-qudwah.com

کائنات میں بنظر غائر دیکھنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر چیز اپنی اپنی ذمہ داری میں مصروف کار ہے۔ سورج ہو، چاند ہو یا ستارے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں مقرر کردہ وقت اور طریقے سے محو گردش ہیں۔ کائنات میں موجود تمام چیزیں انسان کے لیے تخلیق فرمائی گئیں تاکہ وہ ان سے نفع حاصل کرے اور انسان کو بھی اہم ترین ذمہ داریاں دی گئی ہیں اور ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ وہ زمین پر بہترین نظم و نسق کے ساتھ اس کا امن قائم رکھنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔ اس سلسلے میں سماجی بقاء و ارتقاء کے لیے نبوی ﷺ حکمت عملی کا اطلاق مطالعہ نہایت اہم معاصر تقاضا ہے جس کی روشنی میں شدت پسندانہ اور نفرت انگیز سماجی رویوں کی تہذیب کر کے باہمی احترام اور تحمل و رواداری کے ذریعے پر امن بقائے باہمی کے حصول کو یقینی بنایا جاسکتا ہے اور سماجی ربط وضبط اور ترقی کے لیے یہی بنیادی عنصر ہے۔

مقاصد تحقیق

درج بالا عنوان پر تحقیقی مقالہ کے مقاصد درج ذیل ہیں:

1۔ **اس** مطالعہ کا مقصد تعلیم و تربیت کے میدان میں بقائے باہمی کے اصولوں کو سمجھانا اور انہیں عمل میں لانے کی ترغیب دینا ہے۔
نبوی ﷺ حکمت عملی سے باہمی احترام و محبت، امن و امان، انصاف اور مساوات کی اہمیت سمجھی جاسکتی ہے۔

2۔ اس کا ایک مقصد اجتماعی توازن پر مبنی مثبت رویے کے ذریعے بقائے باہمی کے فروغ میں سماجی کردار کو اجاگر کرنا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ میں مختلف طبقات اور مذاہب کے افراد کے درمیان باہمی احترام اور امن و امان کی مثالیں موجود ہیں جو اجتماعی توازن و اعتدال کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

3۔ اس تحقیق کا ایک اور مقصد دیگر معاصر معاشرتی مسائل کے حل میں نبوی ﷺ حکمت عملی سے استفادہ ہے۔

ذیل میں پر امن بقائے باہمی کے فروغ میں نبوی ﷺ حکمت عملی کو بیان کیا جارہا ہے:

1۔ بین المذاہب ہم آہنگی

بین المذاہب ہم آہنگی سے مراد دنیا میں موجود مذاہب کے پیروکاروں کا آپس میں مذہبی اختلافات کو برداشت کرتے ہوئے باہمی احترام کو بہر صورت قائم رکھنا ہے۔ قرآن حکیم میں مشترکات کی بناء پر پر امن بقائے باہمی کی دعوت دی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ[1]

"(اے حبیب ﷺ) آپ فرمادیں، اے اہلِ کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں کوئی ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کو رب نہ بنائے پھر (بھی) اگر وہ منہ پھیریں تو (اے مسلمانو!) تم کہہ دو: "تم گواہ رہو کہ ہم سچے مسلمان ہیں "۔

نبی کریم ﷺ نے سماجی سطح پر ہم آہنگی کو فروغ دینے اور باہمی رواداری اور امن و سلامتی کے ساتھ خوشگوار ماحول کو قائم رکھنے کے لیے متعدد مواقع پر غیر مسلموں کے ساتھ مختلف معاہدات کیے اور ان کو بنیادی حقوق دینے کے عملی اقدامات کیے۔ تاریخ اسلام میں اہل نجران سے اسی جذبہ خیر سگالی کے تحت بھی ایک معاہدہ تحریر کیا جس میں فیصلہ کیا گیا:

1۔ آل عمران 64:3

ولنجران وحاشيتهم جوار الله وذمة محمد النبي رسول الله ﷺعلى أنفسهم وملتهم وأرضهم وأموالهم وغائبهم وشاهدهم وبيعهم وصلواتهم لا يغيروا أسقفًا عن أسقفيته[2]

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اہلِ نجران اور ان کے حلیفوں کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ یہ ذمہ داری ان کی جانوں اور ان کے مذہب کی، ان کی زمینوں اور ان کے اموال کی ہے، ان کے حاضر اور غیر حاضر افراد کی ہے اور ان کی عبادت گاہوں کی بھی ہے، ان کے مذہبی سربراہوں کو ان کے منصب سے نہیں ہٹایا جائے گا"۔

اس روایت کے مطالعہ سے مختلف مذاہب کے درمیان معاشرتی، سیاسی، اور مذہبی مسائل کے حل میں مدد لی جاسکتی ہے۔ اس کی بنیاد پر تعصب سے بالاتر ہو کر سماجی امن اور مساوات کی فراہمی ممکن بنائی جاسکتی ہے جن کے ذریعے مختلف مذاہب کے لوگوں کی زندگیوں کا تحفظ یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ بقائے باہمی کے قیام کے لیے کسی پر اعتقادی جبر واکراہ روا رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ دین اسلام میں مذہب کے اختیار کا معاملہ ہر انسان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَاوَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ [3]

"کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے"۔

اسی تناظر میں دوسروں کے خداؤں کو برا کہنے کی ممانعت وارد ہوئی۔ ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ[4]

"اور اُنہیں برا نہ کہو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ زیادتی کرتے ہوئے جہالت کی وجہ سے اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے، یونہی ہم نے ہر اُمت کی نگاہ میں اس کے عمل کو آراستہ کر دیا پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے تو وہ انہیں بتادے گا جو وہ کرتے تھے"۔

پر امن بقائے باہمی کی ایک عمدہ مثال میثاقِ مدینہ ہے جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد یہاں کی آبادی (خصوصاً یہود) کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے۔ بعض مورخین میگنا کارٹا کو پہلا بین الاقوامی معاہدہ قرار دیتے ہیں حالانکہ میثاق مدینہ 622ء میں ہوا جبکہ میگنا کارٹا چھ سو سال بعد 1215ء میں انگلستان کے شاہ جاہن اول (King John 1st) کے زمانے میں ہوا۔ میثاق مدینہ میں 53 دفعات شامل تھیں۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے یہود سے اپنی قیادت تسلیم کرائی جو صدیوں سے مدینہ کی قیادت کرتے چلے آرہے تھے۔ نبی رحمت ﷺ کی آمد کے وقت مدینہ میں تین یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔[5]

منشور کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس معاہدے کے دو حصے نظر آتے ہیں۔ پہلے حصے کا تعلق انصار و مہاجرین سے ہے جس میں واضح کیا گیا ہے:

2۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ بیروت۔ ج1، ص28

3۔ البقرہ256:2

4۔ الانعام108:6

5۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ادارہ اسلامیات لاہور، ج2، ص167

تمام مسلمان اپنے آپ کو رضا کار سمجھیں گے، مسلمان آپس میں امن اور اتحاد قائم رکھیں گے جو اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر ان میں کوئی اختلاف ہوا تو آنحضرت ﷺ کے فیصلے کو حتمی تسلیم کریں گے، مسلمانوں کے مختلف عناصر کو حقوق و فرائض کے لحاظ سے مساوی سمجھا جائے گا۔ فوجی خدمت سب کے لیے ضروری ہوگی اور قریش مکہ کو پناہ نہیں دی جائے گی۔[6]

تمام مہاجرین کو ہر معاملہ میں ایک قبیلہ کی حیثیت دی گئی جبکہ اس منشور کی روشنی میں انصار کے قبائل کو اسی شکل میں تسلیم کیا گیا۔ تمام معاملات کے لیے اور آپس میں اختلافات کے لیے حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ قطعی قرار دیا گیا۔

دوسرے حصے کا تعلق یہودیوں کے تینوں قبائل سے تھا جس کے میں بالصراحت بیان کیا گیا:

مدینہ میں رہتے ہوئے یہودیوں کو مذہبی آزادی ہوگی۔ مدینہ کا دفاع جس طرح مسلمانوں پر لازم ہے اسی طرح یہودی بھی اسے اپنی ذمہ داری سمجھیں گے۔ بیرونی حملے کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ساتھ متحد ہو کر مدینہ کے دفاع میں حصہ لیں گے نیز ہر قاتل سزا کا مستحق ہوگا۔ مسلمان کے قتل ناحق پر اگر ورثا رضامندی سے خون بہا لینے پر آمادہ نہ ہوں تو قاتل کو جلاد کے حوالے کیا جائے گا۔ تمدنی و ثقافتی معاملات میں یہودیوں کو مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف ہوں گے۔ کسی سے لڑائی اور صلح کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں پر جارحانہ حملے کی صورت میں یہودی مسلمانوں اور یہودیوں پر حملے کی صورت میں مسلمان ان کا ساتھ دیں گے۔ قریش یا ان کے حلیف قبائل کی یہودی مدد نہیں کریں گے۔ یہودی اور مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کے اختلافات کی صورت میں عدالت آنحضرت ﷺ کی ہوگی اور ان کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اسلامی ریاست کے سربراہ آنحضرت ﷺ ہوں گے اور یہودی بھی آپ کی قیادت و سیادت تسلیم کریں گے۔ شہر مدینہ میں ایک فریق کا دوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے۔[7]

صلح حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کا قریش کے ساتھ معاہدہ ظاہری طور پر اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو گراں گزرا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کی حکمت ظاہر ہونا شروع ہو گئی اور مستقبل قریب میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطاء فرمائی۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنهما ان رسول الله ﷺ خرج معتمرا فحال كفار قريش بينه وبين البيت فنحر هديه، وحلق راسه بالحديبية وقاضاهم على ان يعتمر العام المقبل ولا يحمل سلاحا عليهم إلا سيوفا ولا يقيم بها إلا ما احبوافاعتمر من العام المقبل فدخلها كما كان صالحهم فلما اقام بها ثلاثا امروه ان يخرج، فخرج[8]

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ عمرہ کا احرام باندھ کر نکلے، تو کفار قریش نے آپ ﷺ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا۔ اس لیے آپ ﷺ نے قربانی کا جانور حدیبیہ میں ذبح کر دیا اور سر بھی وہیں منڈوا لیا اور کفار مکہ سے آپ ﷺ نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ آپ ﷺ آئندہ سال عمرہ کر سکیں گے۔ تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں گے۔ (اور وہ بھی نیام میں ہوں گی) اور قریش جتنے دن چاہیں گے اس سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہر سکیں گے۔ (یعنی تین دن) چنانچہ آپ ﷺ نے آئندہ سال عمرہ کیا اور شرائط کے ساتھ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، پھر جب تین دن گزر چکے تو قریش نے مکے سے چلے جانے کے لیے کہا اور آپ ﷺ وہاں سے واپس چلے آئے۔

6۔ ایضا، ج2، ص168

7۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ادارہ اسلامیات لاہور ج2، ص167 تا 172

8۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، حدیث:2701

سخت ترین حالات میں اس معاہدہ میں شدید اختلاف اور منافرت کے باوجود تحمل و برداشت کا فقید المثال مظاہرہ کیا گیا اور اختلاف رائے کے ہوتے ہوئے پر امن بقائے باہمی کا راستہ نکالا گیا۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے اس میں راہنمائی کی کئی جہات موجود ہیں۔

2۔ سخن دلنواز

انسان کے الفاظ اس کے باطن کے عکاس ہوتے ہیں، جو اس کی سوچ اور فہم و فراست کی عکاسی کرتے ہیں۔ انہی کے ذریعے انسان اپنے ارد گرد کے ماحول کو اپنے موافق یا مخالف بناتا ہے۔ الفاظ کے استعمال سے واقف آدمی ان سے مرہم کا کام لیتا ہے اور جاہل تیر و تلوار اور آلات جراحی کا۔ انہی کے ذریعے علم و دانش، خیر و شر، خوشی و غمی اور فلاح و ناکامی کی تاریخ لکھی جاتی ہے جو سالہا سال براہ راست معاشرے کے ماحول پر نہ صرف اثر انداز ہوتی ہے بلکہ معاشرتی رویوں کے رجحانات کی ترتیب میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ انہی لفظوں کے ذریعے آپ گل و گلزار تخلیق کر سکتے ہیں اور ان سے ہی جنگ و جدل اور تباہی و بربادی پھیلا سکتے ہیں، فرق صرف استعمال اور موقع کا ہوتا ہے۔

میر کارواں کی تحسین نوازی اور حوصلہ افزائی مایوس قوم کے تنِ مردہ میں جان ڈال دیتی ہے اور تذلیل و تحقیر زندہ قوم کو بغیر روح کے جسم بنا دیتی ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ میر کارواں میں نہیں خُوئے دل نوازی[9]

الفاظ کے انتخاب، لب و لہجہ اور سکوت و گفتار کی بہت اہمیت ہے۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہتے تو باوقار اور گفتگو ایسی گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہوں۔ آپ ﷺ کا لہجہ دھیما ہوتا جس میں محبت و الفت اور رحمت و شفقت کی مٹھاس نمایاں ہوتی تھی۔ آپ ﷺ گفتگو ٹھہر ٹھہر کے فرماتے تھے اور اس ٹھہراؤ میں خوبصورتی، رعنائی اور دلنوازی ہوتی تھی تاکہ لوگ ایک ایک لفظ سن کر یاد کر سکیں۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے اندازِ گفتگو کے متعلق بیان فرماتی ہیں:

كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيْنَهُ فَصْلٌ يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ[10]

"رسول اللہ ﷺ ایسی گفتگو کرتے جس میں ٹھہراؤ ہوتا تھا جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوتا وہ اسے یاد کر لیتا۔"

آپ ﷺ کے سخن دلنواز کے بارے میں حدیث جامع ترمذی میں منقول ہے:

كان اجودالناس صدراواصدق الناس لهجةوالينهم عريكةواكرمهم عشرةمن رآه بديهة هابه ومن خالطه معرفةاحبه يقول ناعته لم ارقبله ولا بعده مثله[11]

"آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ کشادہ دل، تمام لوگوں سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ نرم خو تھے، سب لوگوں سے زیادہ ملنسار تھے۔ جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو پہچانتے ہوئے ملتا وہ آپ سے محبت کرنے لگ جاتا۔ آپ جیسا نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد میں نے دیکھا"۔

نبی کریم ﷺ کی معجز گفتاری کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُ لَأَحْصَاه[12]

9۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی، 2018، ص 356

10۔ الترمذی، الجامع، کتاب فضائل و مناقب، باب نبی کریم ﷺ کی گفتگو کا بیان، حدیث: 3639

11۔ ایضا کتاب المناقب، حدیث 3642

12۔ الجامع الصحیح ،کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث: 3374

"آپ ﷺ اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی شخص (الفاظ) گننا چاہتا تو (بآسانی) گن سکتا تھا۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

"ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمہاری مانند تیزی سے مسلسل کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ اِس طرح کلام فرماتے کہ کلام کے درمیان وقفہ ہوتا تھا اور پاس بیٹھنے والا شخص اُسے (صرف سن کر) یاد کرلیتا تھا۔"[13]

سعد بن ہشام بن عامر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ام المومنین! مجھے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتایئے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق تو قرآن ہی تھا، کیا تم نے قرآن کریم میں یہ ارشاد نہیں پڑھا:

" وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ"

"اور آپ ﷺ یقیناً اخلاق کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں"

میں نے عرض کیا کہ میں گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا ایسا مت کرو، کیا تم قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھتے، تمہارے لئے اللہ کے پیغمبر ﷺ میں اسوہ حسنہ موجود ہے آپ ﷺ نے نکاح بھی کیا ہے اور ان کے یہاں اولاد بھی ہوئی ہے۔[14]

مذکورہ بالا دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اچھی گفتگو اور لب ولہجہ کی اپنی تاثیر ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سخن دلنواز کے ذریعے نفرتوں کو محبتوں میں بدلا، ایک دوسرے کی جان کے پیاسے ایک دوسرے کے لیے جان دینے والے بن گئے۔عدم برداشت کی جگہ تحمل وبردباری نے لے لی۔شدت پسندی اور منافرانہ رویوں کی تہذیب ہوگئی، انتقام در انتقام کی آگ میں جلنے والی قوم میں عفو درگزر کے قابل رشک مظاہر ظہور پذیر ہوئے۔

یہ معجزہ میرے شیریں سخن کا حصہ ہے
جو آئے تیغ طبیعت، نیام بنتے ہیں
وہ سخت گیر، دریدہ دہن، وہ تند مزاج
کلام سنتے ہیں اور خوش کلام بنتے گئے

3۔احترام انسانیت

تکریم انسانیت کا احساس ایک اہم فطری تقاضا ہے جس کے تحت ہر انسان عزت، وقار اور احترام کا طالب و متمنی ہوتا ہے۔یہ اصول اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہر فرد کی حیثیت، رنگ، نسل، مذہب، یا سماجی مقام کی پرواہ کیے بغیر اس کی عزت کی جائے اور اس کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔یہ احساس معاشرتی ہم آہنگی، سماجی انصاف، اور پرامن بقائے باہمی کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے اور ایک مہذب اور پرامن معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت، اسلامی تاریخ میں عدل و انصاف اور احترام انسانیت کے حوالے سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرامین اور عملی اقدامات، احترامِ انسانیت کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔آپ نے ہمیشہ انصاف اور مساوات کو فروغ دیا۔ان

[13]۔ الترمذی، الجامع ،کتاب المناقب، باب فی کلام النبی،حدیث:3639

[14]۔مسند احمد، مسند النساء، تتمہ مسند عائشۃرضی اللہ عنہا، حدیث:24601

کے دور میں ہر شخص، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، خلیفہ کے سامنے مساوی حقوق رکھتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص والی مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ خلیفۂ وقت امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو انہوں نے سرعام گورنر مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا:

متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا[15]

"تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

جو اس بات کی مثال ہے کہ کسی کی حیثیت یا طاقت کی بنیاد پر امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بھی اہم اقدامات کیے۔ انہوں نے غیر مسلم شہریوں کی جان، مال اور عبادت گاہوں کی حفاظت کے احکامات جاری کیے اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کے ساتھ کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ آپ نے عوام کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنایا۔ انہوں نے بیت المال (خزانہ) سے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق سہولیات فراہم کی جائیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی۔ آپ نے قیدیوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے قوانین بنائے اور ان کے ساتھ انسانی سلوک کو فروغ دیا۔ آپ کا طرز حکومت اور فرامین احترام انسانیت اور عدل و انصاف کے بہترین نمونے ہیں، جو آج بھی ملت اسلامیہ کو راہنما اصول فراہم کرتے ہیں۔ دینِ اسلام میں انسانی جان کی حرمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک جان کا ناحق قتل ساری انسانیت کا قتل ہے اور ایک جان کو بچانا ایسا ہی ہے گویا اس نے ساری انسانیت کو زندہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاوَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًاوَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ[16]

"اس کے سبب ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا کہ جس نے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو (قتل سے بچا کر) زندہ رکھا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ رکھا اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بیشک ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد (بھی) زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے (جو تعداد میں تیس تھے) یہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ کر لائے۔ انھوں نے اسے مسجد کے ایک ستون میں باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ (تیسرے روز ثمامہ کی نیک طبیعت دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ (رہائی کے بعد) وہ مسجد نبوی سے قریب ایک کھجور کے باغ تک گئے اور وہاں غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا: اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رّسول الله (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں)۔[17]

15۔ حسام الدین، علی متقی، کنز العمال، ادارہ اشاعت اسلام، ج2، ص 455

16۔ المائدہ 32:5

17۔ الجامع الصحیح، کتاب الصلٰوۃ، باب الاغتسال اذا اسلم، حدیث: 462

آپ ﷺ جب کسی شخص پر کچھ حق کا فیصلہ کرتے تو حکم دیتے کہ وہ مسجد میں قید رہے یہاں تک کہ اپنے ذمہ کا حق ادا کردے۔ اگر وہ ادا کر دیتا تو خیر ورنہ اسے جیل بھیج دیا جاتا۔ حضرت ثمامہ کا یہ واقعہ دسویں محرم 6ھ میں پیش آیا، یہ جنگی قیدی کی حیثیت میں ملے تھے مگر رسول اکرم ﷺ نے ازراہِ کرم انھیں آزاد کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

نبی کریم ﷺ کا ذمی کے جنازے کے لیے قیام کا واقعہ اسلامی تاریخ میں احترام انسانیت کی اعلیٰ مثالوں میں سے ایک ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ جنازہ ایک یہودی کا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا یہ انسان نہیں ہے؟"[18]

مندرجہ بالا واقعات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول رحمت ﷺ نے ہر انسان کی عزت و اکرام کے در وا کیے، چاہے اس کا مذہب یا قومیت کچھ بھی ہو۔ آپ ﷺ کا یہ مبارک تعامل احترام انسانیت، انصاف اور مساوات کے اصولوں کا عکاس اور مسلمانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ہر انسان قابل تکریم ہے اور اس لیے اس کے جائز حقوق کا بہر صورت خیال رکھا جائے۔

تکریم انسانیت کے تناظر میں چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب و احترام کو ذیل میں واضح کیا گیا ہے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا[19]

"جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔"

اسلام میں رنگ، نسل، سماجی مقام یا مادی حالت کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے۔ حضرت بلال حبشی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم کی مثالیں اسلامی تاریخ میں احترام انسانیت اور مساوات انسانی کی بہترین مثالیں ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی غلام تھے جنہیں حضور ﷺ نے آزادی دلائی۔ انہیں نہ صرف اسلام کے پہلے مؤذن ہونے کا شرف حاصل ہوا بلکہ کعبۃ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دینے کے اعزاز و اکرام سے بھی نوازا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے قریب رکھا اور ان کی خدمات اور ایمان کی قدر کی۔[20] حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے جنہیں آپ ﷺ نے بیٹے کی طرح رکھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی فوج کا سالار بھی بنایا گیا۔ ان کی وفاداری اور محبت کا نبی رحمت ﷺ نے بھرپور احترام کیا۔[21]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ایک رومی غلام تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد آزاد ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کی مہمان نوازی اور سخاوت کی تعریف کی۔ ان کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا موقع ملا۔[22] مذکورہ بالا صحابہ کرام کی مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کی حیثیت یا سابقہ غلامی کی بنا پر اس کی قدر و قیمت کو کم نہیں سمجھا۔ آپ ﷺ نے ہر انسان کو اس کی قابلیت، ایمان و تقویٰ اور اخلاص کی بنیاد پر عزت دی۔ اس سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہر انسان کا اعزاز و اکرام محض سماجی پس منظر کی بجائے اس کی خدمات کے تناظر میں دیا جانا چاہیے۔

---

[18]۔ ایضا، كتاب الجنائز، بابُ مَنْ قَامَ لِجَنَازَةِ يهودى، حديث1311

19۔لترمذی، الجامع ،کتاب البر والصلة عن رسول الله،باب ماجاء فی رحمة الصبیان،حدیث:1920

[20]۔ابن حجر العسقلانی، کتاب الاصابه فی تمییز الصحابه ،بیروت، دار الکتب العلمیه، ص: 339

[21]۔البلاذري، انساب الاشراف، بیروت: دار الکتب العلمیه،ج 1، ص 467

22۔الذہبی، اسد الغابه فی معرفة الصحابه، بیروت، دار الکتب العلمیه،ص765

4۔ ادب الاختلاف

بقائے باہمی کے فروغ کے لیے تحمل وبردباری کے ساتھ ایک دوسرے کی رائے کا احترام نہایت ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پرامن بقائے باہمی کے فروغ کے لیے اختلاف رائے کے آداب کا ہمیشہ خاص خیال رکھا۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں مختلف مواقع پر صحابہ کرام سے مشاورت کی اور ان کی رائے کو سنا اور حسب ضرورت اس پر عمل بھی کیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ باہمی احترام کو قائم رکھتے ہوئے اختلاف رائے کو برداشت کرنا اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی کا ذکر فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ[23]

" (اے پیغمبر ﷺ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گردوپیش سے چھٹ جاتے، اِن کے قصور معاف کیجیے، اِن کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور (دین کے) کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھیے، پھر جب آپ کا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں"۔

مطالعہ سیرت کی روشنی میں اختلاف رائے کے درج ذیل آداب ہمارے سامنے واضح ہوتے ہیں:

1 رسول اکرم ﷺ نے کبھی بھی اختلاف رائے کو ذاتی تنقید نہیں سمجھا بلکہ اسے علمی اور عملی مکالمے کے طور پر لیا، نیز مخالف رائے کو تحمل اور حوصلے سے سنا۔

2۔ اہم معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی اور ان کی رائے نہ صرف سنی بلکہ حسب موقع اس پر عمل پیرا بھی ہوئے۔

3۔ اختلاف رائے کے باوجود، نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ دوسروں کی رائے کا احترام کیا اور انہیں عزت دی۔

عہد نبوی ﷺ میں اختلاف رائے کے باوجود باہمی احترام کا اصول بہت اہم تھا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا کہ اختلاف رائے کو کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے، اس سے افادہ کے پہلو کس طرح نکالے جاتے ہیں اور اسے کیسے مثبت طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے؟ یہ اصول آج بھی مسلمانوں کے لیے راہنمائی کا باعث ہیں کہ وہ اپنے معاملات میں دینی و سماجی اور سیاسی اختلاف رائے کے وقت اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے مسائل کا حل نکالیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے دین کے تین مسئلے معلوم ہو گئے۔ اول یہ کہ انہیں آزاد کیا گیا اور پھر ان کے شوہر کے بارے میں اختیار دیا گیا (کہ چاہیں ان کے نکاح میں رہیں ورنہ الگ ہو جائیں) اور رسول اللہ ﷺ نے (انہیں کے بارے میں) فرمایا کہ ولاء اسی سے قائم ہوتی ہے جو آزاد کرے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو ایک ہانڈی میں گوشت پکایا جا رہا تھا، پھر کھانے کے لئے آنحضرت ﷺ کے سامنے روٹی اور گھر کا سالن پیش کیا گیا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو دیکھا کہ ہانڈی میں گوشت بھی پک رہا ہے؟ عرض کیا گیا کہ جی ہاں لیکن وہ گوشت بریرہ کو صدقہ میں ملا ہے اور آپ ﷺ صدقہ تناول نہیں فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لئے بریرہ کی طرف سے تحفہ ہے۔[24]

23۔ آل عمران 159:3

24۔ النسائی ،السنن ، کتاب الزکوٰۃ،باب اذا تحولت الصدقة،حدیث:2615

سیرت مبارکہ کی روشنی میں ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں باہمی احترام کو یقینی بنانا چاہیے۔اس سے نہ صرف تحمل و برداشت جیسا وصف مضبوط ہو گا بلکہ وسعت نظری بھی نصیب ہو گی۔

5۔ستر پوشی

انسان اپنی پوری کوشش کے باوجود بھی بسا اوقات ان نتائج تک نہیں پہنچ پاتا جو درکار ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی بعض خامیاں لوگوں کے سامنے عیاں ہو جاتی ہیں جبکہ ڈھیر ساری خوبیاں مخفی رہتی ہیں کیونکہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کی خوبیاں دیکھنے کے بجائے صرف ان کے عیب دیکھتے ہیں۔یہ بات ہمیں ذہن نشیں ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء اور فرشتے علیہم السلام ہی وہ ہستیاں ہیں کہ جو عیوب و نقائص سے پاک ہیں اور اسی وجہ سے انہیں معصوم عن الخطاء کہا جاتا ہے۔چونکہ انسان میں خطاء اور نسیان کا احتمال رہتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ٹوہ میں نہ رہیں بلکہ عیب نظر آئے بھی تو اس سے در گزر کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ[25]

"اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، بیشک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور (پوشیدہ باتوں کی) جستجو نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں ناپسند ہو گا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے کسی مؤمن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔اللہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہے"۔[26]

اس موضوع پر ایک اور روایت ہے:

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ المنبر فَنَادَى بِصَوتٍ رَفِيعٍ قَالَ: يَامَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الإيمان إلى قلبه، لا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ من تتبع عورة أخيه المسلم تشيع اللَّهُ عَورَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَورَتَهُ يَفْضَحهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحلِه[27]

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور بلند آواز سے پکارا اے وہ لوگو جو اپنی زبان سے اسلام لائے ہو اور ابھی ایمان جن کے دلوں تک نہیں پہنچا مسلمانوں کو ایذا مت دو اور انہیں عار مت دلاؤ اور ان کے عیبوں کو مت ڈھونڈھو اس لئے کہ

25۔الحجرات 12:49

26۔ الترمذی، الجامع ،کتاب الحدود، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، حدیث:1425

27۔ایضا ،کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی تعلیم المؤمن،حدیث:5044

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا عیب ڈھونڈھے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ڈھونڈھے گا اور جس کے عیب کو اللہ ڈھونڈھے گا اس کو ذلیل کر دے گا اگرچہ وہ اپنے مکان میں ہو"۔

اگر کوئی شخص کسی میں کوئی اخلاقی، عائلی یا سماجی برائی دیکھے تو ذلیل ورسوا کرنے کی نیت سے اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ کسی کے سامنے اپنے راز کو عیاں نہ ہونے دے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے بندے کو معاف بھی فرمادیتی ہے اور پردہ پوشی بھی فرماتی ہے لیکن انسان ایک دوسرے کو کبھی معاف نہیں کرتے، اس لیے حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے کہ کسی پر اپنا عیب ظاہر نہ ہونے دیا جائے۔ قرآن مجید میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا حکم ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلٰٓى اِخۡوَتِكَ فَيَكِيۡدُوۡا لَكَ كَيۡدًا‌ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ[28]

"کہا اے میرے بیٹے، اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے بے شک شیطان انسان کا کُھلا دشمن ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے صحابی کو مشورہ عطا فرمایا جو اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

استعينوا على إنجاحِ الحوائجِ بالكتمانِ، فإنَّ كلَّ ذي نعمةٍ محسودٌ[29]

"لوگوں سے چھپا کر اپنے مقاصد کی کامیابی پر مدد طلب کرو کیونکہ ہر نعمت والا حسد کیا جاتا ہے"۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نام کے ایک بزرگ گزرے ہیں، "اصم" بہرے کو کہتے ہیں۔ ان کا نام حاتم تھا اور اصم ان کا لقب۔ یہ لقب اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک خاتون ان سے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئی، وہ آپ کے پاس بیٹھ کر مسئلہ دریافت کر رہی تھی کہ اچانک اس خاتون کے پیٹ میں ہوا کا بوجھ ہوا اور ہوا آواز کے ساتھ خارج ہو گئی۔ وہ خاتون اپنی اس حرکت پر شرمسار ہوئی اور اسے اپنی یہ حرکت بڑی ناگوار گزری کہ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ کیا سوچیں گے؟ حضرت حاتم نہیں چاہتے تھے کہ اس خاتون کو کوئی شرمندگی ہو اور اس کی طبیعت پر بوجھ ہو لہٰذا آپ نے اس خاتون کی شرمساری کو ختم کرنے کے لئے اپنے کان اس کی طرف کیے اور کانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ذرا اونچی آواز میں بات کرو، جب یہ کہا تو اس خاتون کو حوصلہ ہو گیا اور وہ سمجھی کہ یہ بہرے ہیں اور بہرے ہونے کی وجہ سے انہوں نے آواز نہیں سنی اور میں ان کے سامنے شرمندگی سے بچ گئی۔ اس کو شرمندگی اور ندامت سے بچانے کے لئے اور اس کے اس ظاہری عیب پر پردہ ڈالنے کے لیے آپ نے خود کو بہرہ ظاہر کیا۔ جب تک وہ خاتون زندہ رہی تب تک ہر شخص سے حضرت حاتم جب بات کرتے تو کان آگے کر کے کہتے ذرا اونچا بولیں۔[30]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف کس قدر لوگوں کی پردہ پوشی کا اہتمام فرماتے تھے۔ مذکورہ بالا وصف سے متصف ہونے کے حوالے سے قرآن وسنت اور تعامل اسلاف بلاشبہ اہل ایمان کے لیے ہدایت وراہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔

6۔ عفو ودرگزر

"عَفو" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں معاف کر دینا، بخش دینا، درگزر کرنا، بدلہ لینے کی طاقت ہونے کے باوجود معاف کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات میں سے ایک صفت " عَفُوٌ " بھی ہے۔ جس طرح ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے اور

28۔ یوسف 5:12

29۔ السیوطی ،جلال الدین ،الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیه بیروت ،ج1،ص979

30۔ الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء العلوم، مکتبۃ المدینہ لاہور ،ج 1، ص 278

درگزر سے کام لیا جائے اسی طرح کے جذبات و احساسات اسے دوسروں کے لیے بھی رکھنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے ایک دوسرے کو معاف کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْاۤالَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[31]

"اور تم میں فضیلت والے اور (مالی) گنجائش والے یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتے داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مال) نہ دیں گے اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری بخشش فرمادے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں درگزر اور معاف کرنے کی تعلیم دی گئی ہے نیز اقارب مساکین و غرباء اور مہاجرین کی امداد و اعانت کا بھی درس دیا گیا ہے۔ بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے سوالیہ انداز اختیار فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی معاف فرمائے یعنی یقیناً اس بات کو پسند کرتے ہو تو پھر تم بھی ایک دوسرے کو معاف کیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بہادر وہ نہیں جو پہلوان ہو اور دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت خود کو قابو میں رکھے"۔[32]

آپ ﷺ نے جہاں عفو و درگزر کو اپنانے کا درس دیا، وہیں اس کی عملی مثالیں بھی قائم فرمائیں۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کو اپنی ذات پر کیے گئے ظلم کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا، جب تک اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو نہ توڑا جائے، جب اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے کسی حد کو پامال کیا جاتا تو آپ شدید غضب ناک ہوتے اور جب آپ ﷺ کو دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو"۔[33]

آپ ﷺ کی مبارک سیرت سے ہمیں یہی پیغام ملتا ہے کہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں اور ان کی غلطیوں سے درگزر کیا جائے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا ہے اور درگزر کرنے کو پسند فرماتا ہے"۔[34]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! تیرے بندوں میں سے کون تیری بارگاہ میں زیادہ عزت والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وہ بندہ جو بدلہ لینے پر قادر ہونے کے باوجود معاف کردے"۔[35]

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کے سائبان رحمت میں نہ صرف انسان آتے ہیں بلکہ جانور، چرند پرند، حشرات اور جمادات بھی شامل ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

31۔النور 22:24

32۔الجامع الصحیح،کتاب الجامع، باب الرهب من مساوئ الاخلاق،حدیث: 6114

33۔الترمذی ،محمد بن عیسیٰ ، شمائل محمدیه ، ص 198، حدیث: 2032

34۔الحاکم،المستدرک، کتاب الحدود، باب اول سارق قطعه ﷺ،حدیث: 8216

35۔بیہقی،محمد بن ابی بکر،شعب الایمان، دارالکتب العلمیه بیروت، فصل فی ترک الغضب، حدیث: 8327

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[36]

اور (اے محبوب کریم ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔

عفو در گزر کے بے شمار مظاہر سیرت نبوی ﷺ میں موجود ہیں۔ انہی میں سے ایک کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً[37]

"رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول ﷺ! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

آپ ﷺ نے اپنی جان کے دشمنوں سے بھی ہمیشہ در گزر فرمایا جیسا کہ ذیل کی روایت سے واضح ہوتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا اور پھر اس کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس بکری میں سے ایک دستی لے کر خود بھی کھانا شروع کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ کی بھی ایک جماعت کھانے لگی، پھر (ایک دم) آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ روک لو (اس میں سے کچھ نہ کھاؤ) اس کے بعد آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا (وہ آگئی تو) آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ عورت نے کہا آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا؟ (آپ ﷺ کے اللہ نے آپ ﷺ کو بتایا ہے یا مخلوق میں سے کسی نے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس نے بتایا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے، یہ بات آپ ﷺ نے دستی کی طرف اشارہ کرکے ارشاد فرمائی۔ تب اس عورت نے (اعتراف کرتے ہوئے) کہا کہ ہاں میں نے اس بکری کو زہر آلود کر دیا تھا۔ اور میں نے سوچا تھا کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوں گے تو زہر آلود بکری ان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گی اور اگر وہ نبی نہ ہوں گے تو (زہر کے اثر سے ختم ہو جائیں گے اور) ہمیں ان سے نجات اور راحت مل جائے گی۔ پس آپ ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا۔[38]

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرمایا اور ایسا بصیرت وحکمت پر مبنی مؤثر اور دل موہ لینے والا خطبہ ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کے دشمنوں کی اکثریت کے دل آپ ﷺ کی طرف مائل ہو گئے اور وہ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ایسے موقع پر جبکہ دشمن سہمے ہوئے تھے کہ آج خوب قصاص لیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے خاندان قریش! خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور باپ دادوں پر اترانے کا غرور آج ختم کر دیا۔ سن لو! سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھا: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور گوت اور قبیلے سب تمہاری آپس کی پہچان کے لیے بنا دیئے ہیں اور خدا کے ہاں تو صرف تقوی والے کی عزت ہے۔ پھر فرمایا (اے قریشیو!) جاؤ آج تم سب آزاد ہو تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں ہے۔[39]

ماضی میں غلاموں اور لمحہ موجود میں ماتحتوں سے عفو در گزر کے حوالے سے ایک روایت ہے:

36۔الانبیاء21:107

37۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلة، ،باب النہی عن لعن الدواب،حدیث:6613

38۔الدکتور موسیٰ شاہین،فتح المنعم شرح صحیح مسلم،کتاب الطب ولامرض، باب السم، دارالشروق،حدیث4979

39۔الجامع الصحیح ، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح فی رمضان،حدیث:4279

عن عبد الله بن عمرقال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، كم اعفو عن الخادم؟ فصمت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم قال: يا رسول الله، كم اعفو عن الخادم فقال: " كل يوم سبعين مرة[40]

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آکر پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے خادم کی غلطیوں کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ ﷺ اس شخص کے اس سوال پر خاموش رہے، اس نے پھر پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے خادم کی غلطیوں کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر دن ستر (70) بار"۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہمیں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ دنیا کی بقاء وترقی کے لیے عفوودرگزر جیسے سماجی رویوں کو عام کیا جائے۔

7۔ خیر خواہی

خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دوسروں کے لیے بھلائی اور خیر خواہی کے جذبات رکھے اور ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرے۔ یہ ایک ایسا انسانی وصف ہے جس کے ذریعے معاشرے میں محبت اور بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔ جس معاشرے میں رہنے والے انسان ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہوں تو کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خیر خواہی سے مراد دنیا اور آخرت کے معاملات میں خیر کی طرف راہنمائی کرنا، مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کرنا، نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں اُن کی مدد کرنا، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا، ان کے لئے وہی پسند کرنا جو اپنے لئے پسند ہو، ہے۔[41]

یہی وجہ ہے کہ خیر خواہی اور محبت وشفقت کے پہلو نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے حسب موقع ہر انسان کی مدد، مشورہ، اور راہنمائی فرمائی، آپ ﷺ کی محبت نے ان کو مختلف معاشرتی مسائل کے حل تلاش کرنے کیلئے متحرک کیا اور انہیں باہمی محبت سے معمور ایک متوازن معاشرہ قائم کرنے میں مدد دی۔ آپ ﷺ کی خیر خواہی کا انداز ہر ایک کو محبت، احترام، اور امن و سلامتی فراہم کرنے والا تھا۔ آپ ﷺ انسانوں کی فلاح اور خوشی کے لئے ہمیشہ تیار رہتے اور ان کی مدد کرتے۔ سیرت طیبہ کی اس خوبصورت صفت سے ہم اپنے آپ کو متصف کر کے معاشرے میں خیر عام کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں مثلاً دوسروں کی مدد کرنا، انہیں سہارا دینا، باہمی محبت و شفقت اور احترام کا اظہار کرنا وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعاماهم[42]

"دین خیر خواہی ہے، ہم نے عرض کیا کس کے لئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے ائمہ اور عام لوگوں لوگوں کے لیے"۔

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ "النصیحة" یعنی خیر خواہی کرنا دین کے اصولوں اور اخلاقیات کا مرکزہ (Nucleus) ہے۔ اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کا دینی احساس اور تعامل کس طرح انسانوں کی فلاح اور خیر خواہی کے لیے ممدومعاون ثابت ہو سکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

40۔ الترمذی ،الجامع ، كتاب البر والصلة،باب ماجاء فی العفو عن الخادم،حدیث:1949

41۔العینی،بدرالدین ، عمدة القاری،ج1،ص470،حدیث57

42۔صحیح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان ان الدين النصيحة، حديث: 95

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں کی بادشاہت کا مالک تم پر رحم فرمائے گا۔[43]

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر عائد ہونے والے حقوق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خمس من حق المسلم على المسلم: رد التحية وإجابة الدعوة وشهود الجنازة وعيادة المريض وتشميت العاطس إذا حمد الله[44]

"مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، دعوت قبول کرنا، جنازوں میں شامل ہونا، مریض کی بیمار پرسی کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا، جب وہ الحمد للہ کہے"۔

مندرجہ بالا روایت سے امت مسلمہ کے ہر فرد کو ایک دوسرے سے خیر خواہی کرنے کے پانچ عملی مظاہر کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے جنھیں اختیار کر کے معاشرے میں بھلائی اور بھائی چارے کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے اور اچھی بات کا حکم نہ دے اور بری بات سے منع نہ کرے۔[45]

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اس امر پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کروں گا۔[46]

اس عہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے دینی احساس اور معاشرتی مسئولیت کا احساس کر کے دیگر مسلمانوں کی فلاح اور خیر خواہی کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔ ان کی بیعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی سماجی ذمہ داریوں کو خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ سرانجام دیں گے۔ ان کا یہ احساس مسلم معاشرے کے ایک فرد کے سماجی شعور کا عکاس ہے۔

8۔ ظلم کی ممانعت

سماجی حوالے سے ظلم ایک غیر محمود فعل ہے جس سے معاشرے میں انارکی اور عدم تحفظ کا احساس جنم لیتا ہے۔ پھر اس کے نتیجے میں بے شمار نفسیاتی مسائل جنم لیتے ہیں۔ علامہ شریف جرجانی اپنی کتاب "اَلتَّعرِيفَات" میں ظلم کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی چیز کو اس کی جگہ کے علاوہ کہیں اور رکھنا"۔[47]

شریعت میں ظلم سے مراد یہ ہے کہ کسی کا حق مارنا، کسی چیز کو غیر محل میں خرچ کرنا، کسی کو بغیر قصور کے سزا دینا۔ اسلامی تعلیمات میں ظلم کی ممانعت اور اس سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں متعدد مقامات پر ظلم کو سختی سے منع کیا گیا ہے اور عدل و انصاف کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں چند آیات اور احادیث پیش کی جاتی ہیں جو ظلم کی ممانعت اور عدل و انصاف کے قیام پر روشنی ڈالتی ہیں:

قیام عدل اور ظلم کے خاتمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

43۔ الترمذی ،الجامع ، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة المسلمين، الحديث: 1931

44۔الجامع الصحيح، کتاب الآداب والاستئذان،حقوق المسلم على المسلم،حديث:2788

45۔ الترمذی ،الجامع ، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبيان ،الحديث: 1928

46۔ الجامع الصحيح،کتاب الشروط،باب مَا يَجُوزُ مِنَ الشُّرُوطِ فِي الإِسْلاَمِ وَالأَحْكَامِ وَالْمُبَايَعَةِ رقم الحديث: 2715

47۔شریف جرجانی، التعریفات ،باب الظاء، دار احياء التراث،ص102

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَاۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا[48]

"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے"۔

پر امن بقائے باہمی پر مبنی معاشرے کے قیام کے لیے بنیادی اصول و مبادی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[49]

"بیشک اللہ عدل اور احسان اور رشتے داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی اور ہر بری بات اور ظلم سے منع فرماتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"۔

اور تو اور دشمنی میں بھی اعتدال کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْااِعْدِلُوْاهُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[50]

" اے ایمان والو! اللہ کی خاطر حق پر قائم رہو اور انصاف کے ساتھ گواہی دو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف چھوڑ دو۔ عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے"۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔"[51]

اس آیت مبارکہ میں انصاف کو قائم رکھنے اور اس کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے کیونکہ جو معاشرے عدل و انصاف سے عاری ہو جاتے ہیں وہ قائم نہیں رہ سکتے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مظلوم کی بد دعا سے بچو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔"[52]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر دیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے، لہذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔"[53]

دین اسلام میں ظلم کی ممانعت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ میں ظلم کو سختی سے منع کیا گیا ہے اور عدل و انصاف کو یقینی بنانے کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی اور تعلیمات امت مسلمہ کے ہر ہر فرد سے تقاضا کرتی ہیں

48۔النساء58:4

49۔النحل90:16

50۔المائدہ8:5

51۔الجامع الصحیح،کتاب المظالم، باب الظلم ظلمات یوم القیامۃ،حدیث:2447

52۔الجامع الصحیح،کتاب المظالم،بَابُ الاِتِّقَاءِ وَالْحَذَرِ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ،حدیث:2448

53۔صحیح مسلم،کتاب البر والصلۃ والادب،باب تحریم الظلم،حدیث:6572

کہ ظلم وستم سے بچا جائے اور ہر حال میں انصاف اور عدل کا دامن تھاما جائے۔ اس سے نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ سماجی سطح پر بھی امن وسلامتی کا قیام ممکن ہو سکے گا۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ظلم کرنے سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن (کئی) ظلمتوں کا باعث بنے گا اور بخل سے بچو۔ اس لیے کہ بخل نے ہی تم سے پہلے والے لوگوں کو ہلاک کیا۔ اس بخل نے انہیں اپنوں کا خون بہانے پر اور حرام چیزوں کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا۔"[54]

اس حوالے سے ایک اور روایت ہے جس میں ظلم اور زیادتی کرنے والے کا ہاتھ روکنا بھی ایک مسلمان کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے اور اسے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے بساط بھر کوشش جاری رکھنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ عصبیت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کا ظلم وزیادتی میں ساتھ دو، اور ان کی مدد کرو"۔[55]

اسی موضوع پر ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی طرف بلائے، وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر لڑائی لڑے، اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کا تصور لیے ہوئے مرے"۔[56]

مذکورہ بالا تعلیمات، ہمیں اس بات کی تلقین کرتی ہیں کہ معاشرے سے ظلم کا خاتمہ ہونا چاہیے تاکہ امن وسلامتی اور پرامن بقائے باہمی کا حصول ممکن ہو سکے اور اسی طرح ہی مسلم معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

9۔ عجز وانکسار

تواضع یہ ہے کہ ممکنہ طور اپنی فضیلت وبرتری اور خودستائی سے گریز کیا جائے۔ افضل ہو کر خود کو عام ظاہر کیا جائے، اعلیٰ ہو کر خود کو ادنیٰ تصور کیا جائے، عالم ہو کر خود کو طالب علم بتایا جائے۔ نیک وپارسا اور متقی وپرہیز گار ہو کر خود کو گنہگار سمجھا جائے۔ فرمانبردار ہو کر بھی خود عصیاں شعار کیا جائے تو اس کو تواضع کہتے ہیں۔ تواضع، انسان کے اندر موجود کبر ونخوت کی ضد ہے۔ تواضع کے عمل سے انسان کے اندر موجود کبر وغرور کے منفی جذبات ماند پڑ جاتے ہیں۔ تواضع، انسان کی معاشرتی زندگی میں ایک لطافت پیدا کرتی ہے اور انسان کو خاکسار بناتی ہے۔ اس عمل سے انسان دوسروں کو قابل احترام واکرام جانتا ہے، دوسروں کی عزت وتوقیر کرتا ہے۔ تصنع اور وضعیت یہ ہے کہ انسان اپنی کسی غرض کی تکمیل کے لئے اپنی خودداری کھودے اور اپنی عزت نفس کا سودا کرلے۔ تواضع ایک ایسا خلق ہے جو انسان میں عبدیت اور بندگی کا احساس پیدا کرتا ہے اور یہی اس کے لیے زیبا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا تواضع اور عجز یہ ہے کہ آپ ﷺ کائنات کے عظیم انسان اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اور جملہ صفاتِ کمال سے متصف ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا "عبد" کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اہل ایمان کے لیے اپنی پرواز نیچی رکھنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

54۔ البانی ،سلسلة الاحاديث الصحيحة، باب التوبة والمواعظ والرقائق، حديث: 858

55۔ ابو داؤد، السنن ،ابواب النوم، باب فی العصبية ، حديث: 5119

56۔ ایضا، حديث: 5121

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ[57]

"اور آپ اپنا بازوئے (رحمت وشفقت) ان مومنوں کے لیے بچھا دیجیے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کرلی ہے"

اسی طرح اپنے بندوں کی صفت انکسار کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰما[58]

"اور رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں"

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھنے والے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جن میں امیر اور غریب سب شامل تھے شفقت ورحمت اور اپنائیت کے لطیف جذبات سے فیض یاب ہوتے۔ مزید برآں غریبوں کو آپ ﷺ زیادہ قرب عطاء فرماتے۔ دیہاتی کے ساتھ اس کی سمجھ کے مطابق بات کرتے، کسی سفیر سے اس کے درجہ کے مطابق گفتگو کرتے اور اگر کوئی یہودی یا نصرانی عالم حاضر خدمت ہوتا تو اس سے اس کے مقام ومرتبہ کے مطابق محو کلام ہوتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ[59]

صدقہ، مال میں سے کچھ کم نہیں کرتا اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور کوئی شخص تواضع (انکسار) اختیار نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا مقام بلند کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جلیل المنصب، سید المرسلین، خاتم النبیین اور رحمۃ للعلمین بنایا مگر ان سارے رفیع المرتبت اعزازات کے باوجود آپ ﷺ نے دوسرے لوگوں کے زندگی کے جملہ معاملات میں تواضع اختیار فرمائی اور منکسر المزاج رہے۔ کبر ونخوت کا دور دور تک آپ سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ بلاشبہ آپ ﷺ لوگوں میں سے سب سے زیادہ متواضع تھے۔ یہی وجہ ہے جب آپ ﷺ کو "نبی ملک " ایسا نبی جو بادشاہ ہو) اور "نبی عبد "(ایسا نبی جس میں وصف عبدیت غالب ہو) " میں اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے "نبی عبد "کا وصف اپنے لیے پسند فرمایا:

انه خير بين ان يكون نبيا ملكا او نبيا عبدا فاختار ان يكون نبيا عبدا[60]

آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ نبی بادشاہ ہونا پسند کرتے ہیں یا نبی عبد ہونا، تو آپ ﷺ نے نبی عبد ہونا پسند فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے اسی تواضع وانکسار کی بناء پر باری تعالیٰ قیامت کے دن اولاد آدم کی سرداری آپ کو عطا فرمائے گا اور آپ ہی قیامت کے دن وہ پہلے شخص ہوں گے جو اللہ کے حضور لوگوں کے لئے شفاعت کریں گے۔ پرامن بقائے باہمی کے فروغ کے لیے انسان کا عجز وانکسار کی صفت سے متصف ہونا نہایت ضروری ہے۔ جب ہر انسان دوسرے کو خود سے بہتر سمجھے گا تو سماجی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ باہمی عزت واحترام اور وقار میں بھی اضافہ ہوگا۔

خلاصہ کلام

57۔ الشعراء26: 215

58۔الفرقان63:25

59۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حدیث:6592

نبی کریم ﷺ کی سیرت کی مختلف جہات میں سے ایک اہم جہت پرامن بقائے باہمی کا فروغ ہے۔یہ ایک ایسا وصف ہے جس کے ساتھ معاشرے کی بقاء،استحکام اور ترقی جڑی ہوئی ہے۔اس کا مقصود ایک ہی سماج میں رہنے والے افراد کا ایک دوسرے کے لیے مدد ومعاون ہونا اور زندگی کے نشیب وفراز میں ایک دوسرے کا ساتھ دیناہے۔پرامن بقائے باہمی کے فروغ میں نبوی ﷺ حکمت عملی کا مطالعہ انسانی سماج کے ساتھ ربط وضبط نہ صرف واضح کرتا ہے بلکہ اس کی مضبوطی اور استحکام کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے اہم اصول فراہم کرتا ہے۔ان اصولوں میں، بین المذاہب ہم آہنگی، سخن دلنواز،احترام انسانیت،عفو درگزر، خیر خواہی، ظلم کی ممانعت اور عجز وانکسار شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر معاشرتی امور کا حل پیش کیا اور بقائے باہمی کے حوالے سے اپنا کردار ادا کرنے کی ترغیب دی۔رسول اکرم ﷺ کی متواضع قیادت اور آپ ﷺ کی طرف سے انسانیت کے لیے فراہم کردہ امکانات کی فراہمی نے مختلف مذاہب اور فرقوں کے درمیان امن وامان اور اختلافات کے حل کے لیے نئی راہیں سجھائیں۔آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ سے ہمیں پرامن بقائے باہمی کے فروغ کیلئے مؤثر اقدامات کرنے کی ترغیب ملتی ہے تاکہ مثالی معاشرت کی تشکیل ممکن ہوسکے۔ مندرجہ بالا نبوی ﷺ سماجی اصولوں کے ذریعے پرامن بقائے باہمی کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرسکتے ہیں۔